اردو تنقید کا ابتدائی دور: ایک تنقیدی جائزہ

منظر کمال

243، ستلج ہاسٹل، جے۔این۔یو، نئی دہلی۔110067، موبائل: 9386620088

تذکروں سے بہت قبل اردو شاعری کے ابتدائی دور ہی میں متعدد شعرا نے اپنے کلام میں شعر کی تعریف، ماہیت، عناصر اور نوعیت وغیرہ کے متعلق بلیغ تنقیدی اشارے کیے ہیں اور شعر کے حسن و قبح پر روشنی ڈالی ہے۔ جس سے ان کے تنقیدی شعور کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ مثلاً قطب شاہی عہد کے سب سے زیادہ مشہور اور بلند پایہ شاعر و ادیب ملا وجہی نے اپنے کلام میں لفظ و معنی دونوں کو یکساں اہمیت دی ہے اور شاعری کے لیے ربط کلام اور سلاست کو لازمی قرار دیا ہے۔ وجہی اپنی مشہور مثنوی ''قطب مشتری'' میں کہتے ہیں:

جسے بات کے ربط کا نام نیں
اسے شعر کہنے سے کچھ کام نیں
اگر نام ہے شعر کا تجھ کو چھند
چنے لفظ ہور اور معنی مزہ ہو بلند

غواصی نے الفاظ کے انتخاب و ترتیب اور تشبیہوں کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ اسی طرح ولی، سراج، آبرو، میر اور غالب وغیرہ شعرا نے بھی فن شاعری پر اظہار خیال کیا ہے۔ علاوہ ازیں اردو تنقید کے ابتدائی نقوش شعرائے اردو کے تذکروں میں نظر آتے ہیں۔ شعرا کے کلام پر تنقید و تبصرے کے لحاظ سے اردو تنقید کا ایک اہم ماخذ تذکرے ہیں۔ گرچہ یہ جدید تنقید کے معیار پر کھرے نہیں اترتے، لیکن اس میں تنقیدی اشارے ضرور مل جاتے ہیں۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق ان تذکروں کی اہمیت وافادیت کے بارے میں رقمطراز ہیں:

''ہمارے شعرا کے تذکرے گو جدید اصول کے مطابق نہ لکھے گئے ہوں تاہم ان میں بہت سی کام کی باتیں مل جاتی ہیں جو ایک محقق اور ادیب کی نظروں میں جواہر ریزوں سے کم نہیں''۔ (بحوالہ فن تنقید اور اردو تنقید نگاری، ص:۹۸)

مغلیہ سلطنت کے خاتمہ کے بعد ہندوستان میں انگریزی سلطنت کی داغ بیل پڑی۔ انگریزوں نے اپنی تہذیب و ثقافت ہندوستانیوں پر مسلط کرنے کی کوشش کی۔ انھوں نے بالخصوص ہندوستانی تعلیم یافتہ ذہنوں کو بہت متاثر کیا۔ ان کے ذریعے مغربی زبان و ادب کے اثرات ہندوستانی زبان و ادب پر بھی مرتب ہوئے۔ اس اثر سے اردو زبان و ادب بھی اچھوتا نہ رہا۔ سرسید کا شمار اگرچہ باضابطہ تنقید نگاروں میں نہیں ہوتا، لیکن وہ پہلی شخصیت ہیں جنھوں نے شعر و ادب کے مسائل پر نہایت سنجیدگی سے غور و فکر کیا۔ اس کی خوبیوں اور خامیوں کی طرف اشارہ کیا۔ ان کو دور کرنے کی تدبیریں بتائیں اور شعر و ادب کو مقصدی و افادی بنانے پر زور دیا۔ سرسید کے مضامین اور مقالات میں ان کے تنقیدی تصورات بخوبی ملتے ہیں۔ حالی جو اردو تنقید کے باقاعدہ بانی ہیں بلاشبہ افکار سرسید کے خوشہ چیں ہیں۔ ان کے علاوہ آزاد، شبلی اور اثر وغیرہ بھی سرسید کے افکار سے بہت متاثر ہوئے اور اردو تنقید کو ترقی کی شاہراہ پر لانے میں اپنا اہم کردار ادا کیا ہے۔

اردو کے اولین تنقید نگاروں میں ایک اہم نام محمد حسین آزاد کا ہے۔ آزاد نے تنقیدی نظریات پر کوئی مستقل تصنیف قلم بند نہیں کی۔ ۱۸۶۷ء میں انھوں نے شاعری پر ایک تنقیدی لکچر دیا تھا اور کئی اہم مسائل پر بلیغ روشنی ڈالی تھی۔ اسی طرح ''مقدمہ نظم آزاد''، ''آب حیات'' اور ''سخن دان فارس'' وغیرہ میں ان کے تنقیدی نظریات ملتے ہیں۔ آزاد کی دو تصانیف میں تنقید جتنی واضح نظر آتی ہے اس سے آزاد کے تنقیدی شعور اور بصیرت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ 'آب حیات' اور 'نیرنگ خیال' گرچہ آزاد کی دو مختلف موضوع اور انداز کی تصانیف ہیں، لیکن دونوں میں آزاد اپنی نوک قلم سے جوہر بکھیرتے نظر آتے ہیں۔ ''سخن دان فارس'' کے ایک حصہ میں آزاد نے لسانی بحث کی ہے۔ اس میں کئی تنقیدی نکتے ہیں۔ آزاد نے سخن دان فارس میں تنقید کا وہ انداز اپنایا ہے جو جدید لہجے کے قریب تر نظر آتا ہے:

''ہر قوم کی زبان میں پہلے اشیا اور کام ہوتے ہیں پھر ان کے لیے لفظ یعنی اسما اور افعال ہوتے ہیں.....اگر اہل ایران کو پرانے زمانے میں شعر کہنا نہ آتا تھا تو یہ الفاظ کہاں سے آئے۔اس کا مطلب ہے کہ زبان ایک عملیاتی تجربہ ہے اور شاعری اس کی اولین معاون ہے۔''

(سخن دان فارس،ص:۴۳)

سخن دان فارس کے کئی حصوں میں تنقیدی مباحث دیکھنے کو ملتے ہیں۔یہ تصنیف آزاد کو ایک عملی ناقد کا تمغہ عطا کرتی ہے۔جب کہ آب حیات میں بھی آزاد کی تنقیدی نظر بخوبی کام کرتی ہے۔گرچہ یہ کتاب اردو شاعری کی تاریخ کی حیثیت سے مشہور ہے اور جس کا اسلوب انشا پردازی کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہے اس کے باوجود آب حیات میں شعری تنقید کے اصول نمایاں نظر آتے ہیں۔اس کتاب کو اردو شاعری کی تاریخ میں ایک ایسے سنگ میل کا درجہ حاصل ہے جو تنقید کے نئے گوشوں کا سراغ دیتی ہے۔آزاد نے اپنی تنقیدی حسیت سے شعرا اور شاعری کے معائب ومحاسن اور شاعری کے اصول،طریق کار اور رتبہ شناسی وغیرہ پر اپنی بے لاگ رائے کا اظہار کیا ہے۔وہ رقمطراز ہیں:

''نہ کسی شاعر کی زندگی کی سرگزشت کا حال معلوم ہوتا ہے،نہ اس کی طبیعت اور عادات واطوار کا حال کھلتا ہے،نہ اس کے کلام کی خوبی اور صحت وسقم کی کیفیت کھلتی ہے۔نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے معاصروں میں اور اس کے کلام میں کن کن باتوں میں کیا نسبت تھی۔انتہا یہ ہے کہ سال ولادت اور سال فوت تک بھی نہیں کھلتا۔'' (آب حیات،ص:۴)

پہلے آزاد کے خیالات پر مشرقیت کا غلبہ تھا پھر مغربیت کی جانب رجحان بڑھا۔آزاد شعر کو الہامی چیز خیال کرتے ہیں۔وہ انداز اور اسلوب بیان کو بہت اہمیت دیتے ہیں،لیکن معنوی پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کرتے۔وہ ان دونوں کی اہمیت کے قائل ہیں۔آزاد شعر کے لیے خیال،موزونیت اور اسلوب یا انداز کو لازمی خیال کرتے ہیں۔ان کے خیال میں شعر میں تمام علمی اور اخلاقی مضامین کو جگہ دی جاسکتی ہے۔وہ شعر کی افادیت اور مقصدیت کے بھی قائل ہیں۔وہ کہتے ہیں کی شعر قوموں اور ملکوں کی تقدیر بدل دیتا ہے۔آزاد کو شعر کی سماجی اہمیت کا بھی احساس ہے۔آزاد کا ماننا ہے کہ حالات اور واقعات میں تبدیلیوں کے ساتھ شعر بھی اپنا رنگ تبدیل کرتا ہے۔وہ غزل سے بے زار ہوگئے تھے اور نظم نگاری کو فروغ دینے کے مقصد سے انھوں نے لاہور میں مجلس مشاعرہ کی بنیاد بھی رکھی جس میں ہر شاعر کو نظم پڑھنے کے لیے ایک موضوع دیا جاتا تھا۔اس مشاعرے سے جدید اردو نظم کا بہت فروغ ہوا۔

آزاد کی تنقید کی ایک بڑی خامی اور عیب یہ ہے کہ وہ جانب داری سے پاک نہیں ہے۔ان کی تنقید میں اپنی ذاتی پسند وناپسند کا بھی بہت دخل ہے۔اسی طرح ان سے بعض تحقیقی غلطیاں بھی سرزد ہوئیں۔یہ سب خامیاں نہ ہوتیں تو آزاد ایک بڑے نقاد کے طور پر جانے جاتے۔ان خامیوں کے باوجود اردو تنقید میں آزاد کی اہمیت مسلم ہے۔

اردو میں باقاعدہ تنقید کی بنیاد حالی کے ہاتھوں پڑی۔''مقدمۂ شعروشاعری'' اردو کی پہلی باضابطہ تنقیدی کتاب ہے جو ۱۸۹۳ء میں شائع ہوئی۔اس شاہکار کتاب نے اردو شعروادب میں ایک عظیم انقلاب پیدا کردیا تھا۔اس نے شعروادب سے متعلق سابقہ تصورات ونظریات کو یکسر مسترد کردیا۔مقدمہ میں حالی نے شعروشاعری کے عام اصولوں کے علاوہ اردو شاعری کی مختلف اصناف پر بھی تنقید کی ہے۔مقدمہ کی بنیادی بات یہ تھی کہ شاعری کو ملک وقوم کی اصلاح اور فلاح وبہبود کا ذریعہ ہونا چاہیے۔حالی کے خیال میں اردو شاعری کا ایک بڑا حصہ اخلاقی اور سماجی اصلاح کے کام نہ آسکتا تھا۔اس لیے انھوں نے ایسی شاعری کو ترک کرنے کا مطالبہ کیا۔

شعروادب کے بارے میں حالی کے خیالات ان کی دوسری کتابوں مثلاً ''حیات سعدی'' (۱۸۸۶ء) ''یادگار غالب'' (۱۸۹۷ء) اور ''حیات جاوید'' (۱۹۰۱ء) وغیرہ سے بھی معلوم ہوتے ہیں،مگر مقدمہ شعروشاعری ان کا شاہکار رولاز وال کارنامہ ہے۔یہ دو حصوں میں منقسم ہے۔حصہ اول میں شاعری کے اصول وضوابط بیان کیے گئے ہیں۔حصہ دوم میں اردو شاعری کی چار اہم اصناف غزل،قصیدہ،مثنوی اور مرثیہ کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے اور ان کی اصلاح کے لیے مشورے بھی دیے گئے ہیں۔نیز حالی نے عملی تنقید کے اصولوں کی روشنی میں بعض شعرا کے بارے میں اپنے خیالات بھی مرتب کیے ہیں۔

حالی نے نیچرل شاعری کا علم بلند کیا تھا۔انھوں نے ادب کی مقصدیت اور افادیت پر بہت زور دیا۔حالی شعروادب کو محض لطف اندوزی اور وقت گزاری کا ذریعہ نہیں سمجھتے تھے بلکہ وہ اس سے زندگی کو سجانے،سنوارنے اور بہتر بنانے کا کام لینا چاہتے تھے اور دلیلوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ شاعری سے یہ کام لیا جاتا رہا ہے۔ان کا خیال ہے کہ

مذہب اور اخلاق سے شاعری کا گہرا تعلق ہے۔ نیز یہ کہ شاعری اور سماج ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ حالی کے یہاں درس اخلاق کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ حالی نے اچھی شاعری کے لیے بار ہا لفظ ''نیچر'' کا استعمال کیا ہے۔ یعنی اچھی شاعری فطرت یا عادت کے قریب ہوتی ہے۔ وہ ''مقدمۂ شعر و شاعری'' میں لکھتے ہیں:

> ''نیچرل شاعری سے وہ شاعری مراد ہے جو لفظاً و معناً دونوں حیثیتوں سے نیچر یعنی فطرت یا عادت کے موافق ہو۔ لفظاً نیچرل کے موافق ہونے سے غرض ہے کہ شعر کے الفاظ اور ان کی تراکیب و بندش تا مقدور اس زبان کی معمولی بول چال کے موافق ہو جس میں وہ شعر کہا گیا ہو۔''

(مقدمۂ شعر و شاعری، ص: ۵۱)

حالی کے ان خیالات کی سخت مخالفت بھی ہوئی، مگر سچ تو یہ ہے کہ حالی نے جو کچھ کہا وہ تقاضائے وقت تھا۔ اس وقت ملک و قوم کے جو حالات تھے ان پر بھی نظر رکھنی چاہیے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ترقی پسند تنقید کی جھلک سب سے پہلے حالی کے یہاں نظر آتی ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ کیوں کہ حالی ہی وہ اول نقاد تھے جنھوں نے مادہ اور خیال کے تعلق کو محسوس کیا اور اس کے مقصدی ہونے پر زور دیا۔ بیشک حالی کی تنقید سرسید کی اصلاحی تحریک کا ایک حصہ تھی اور سرسید تحریک میں مادیت، عقلیت اور حقائق نگاری کی بنا پر ترقی پسند تحریک کے ابتدائی نقوش نظر آتے ہیں۔ حالی نے اپنے مقدمہ میں لفظ و معنی کی بحث بھی اٹھائی ہے۔ وہ لفظ اور معنی دونوں کی یکساں اہمیت کا اعتراف کرتے ہیں مگر درحقیقت ان کا جھکاؤ معنی کی جانب ہے۔

حالی نے شاعری کے لیے تین شرائط کو لازمی قرار دیا ہے۔ شرائط یہ ہیں تخیل، مطالعۂ کائنات، تفحص الفاظ۔ حالی کے مطابق تخیل پیدائشی ملکہ ہوتا ہے۔ اس کے بغیر شاعری ناممکن ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ تخیل حد سے زیادہ بلند نہیں ہونا چاہیے۔ اس پر عقل کی گرفت ضروری ہے ورنہ شعر کا مفہوم ہاتھ نہ آسکے گا۔ شاعری کے لیے دوسری ضروری شرط ہے، مطالعۂ کائنات۔ فنکار جو کچھ بھی کہتا ہے اس کا مواد اسی کائنات سے حاصل کرتا ہے۔ لہٰذا لازمی ہے کہ فنکار اس کائنات کا بغور مطالعہ کرے اور انسانی نفسیات سے بخوبی واقف ہو تبھی اسے کامیابی حاصل ہو سکے گی۔ شاعری کے لیے تیسری شرط ہے، تفحص الفاظ۔ حالی اس کی مثال مصور سے دیتے ہیں۔ حالی کہتے ہیں کہ ایک شاعر ایک ایک لفظ کے لیے ستر ستر کنویں جھانکتا ہے، پھر بہت چھان پھٹک کے بعد الفاظ کو چنتا ہے اور انہیں نگینے کی طرح شعر میں جڑ دیتا ہے۔ شعر کہنے کے بعد بھی شاعر اس کی نوک پلک سنوارتا ہے۔ یہاں حالی نے رومی شاعر ورجل کی مثال پیش کی ہے جو صبح شعر کہنے کے بعد دن بھر اس کی نوک پلک سنوارتا رہتا ہے۔

حالی نے مقدمہ میں شعر کی خوبیوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ یہ ہیں، سادگی، جوش اور اصلیت۔ سادگی سے حالی کی مراد یہ کہ آسان اور سادہ خیال سہل الفاظ میں پیش کیا جائے تاکہ سمجھنے میں دشواری نہ ہو۔ جوش سے مراد ہے کہ شعر میں بے ساختگی پائی جائے یعنی شعر بے اختیار شاعر کی زبان سے نکلا ہو۔ ایسا شعر قاری اور سامع کو متاثر کرتا ہے۔ اصلیت سے مراد یہ ہے کہ شعر میں مبالغے سے گریز کیا جائے اور خلاف فطرت باتوں اور مضامین سے دور رہا جائے۔ حالی وزن اور قافیہ کو شعر کے لیے لازمی تو نہیں قرار دیتے، لیکن انہیں ''شاعری کا زیور'' کہتے ہیں جس سے شعر میں حسن پیدا ہوتا ہے۔

حالی غزل کی مقبولیت کا اعتراف کرتے ہیں، مگر اس صنف سخن میں بہت سی خامیاں بھی نکالتے ہیں جن کو وہ دور کرنا چاہتے ہیں۔ حالی نے غزل پر سخت اعتراضات بھی کیے ہیں۔ مثلاً غزل عشق و عاشقی کے دائرے میں قید ہے۔ اس کے مضامین بھی محدود ہیں اور مضامین کی تکرار بھی ہوتی ہے۔ انھوں نے غزل کو ''بے وقت کی راگنی'' بھی کہا۔ دراصل حالی کے یہ اعتراضات لکھنوی غزل کے رنگ و روپ پر تھا۔ ورنہ حالی نے خود بہترین غزلیں کہی ہیں اور ان کے استاد غالبؔ نے غزل کے دامن کو وسعت بخشا ہے۔ انھیں قصیدہ جھوٹ اور خوشامد سے لبریز نظر آیا تو اسے ''عفونت میں سنڈاس سے بدتر قرار دیا'' مرثیہ کو حالی بہت پسند کرتے ہیں کیوں کہ یہ اخلاق و کردار اور ایثار و قربانی کی تعلیم کا بہترین ذریعہ ہے۔ حالی مثنوی کو سب سے زیادہ مفید اور کارآمد صنف سخن خیال کرتے ہیں کیوں کہ اس میں تسلسل کے ساتھ اظہار خیال کی گنجائش ہے اور کسی بھی موضوع پر تفصیل سے اظہار خیال کیا جا سکتا ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ حالی نے اپنے وقت اور زمانے میں جو تنقیدی کارنامہ انجام دیا ہے وہ بے مثال ہے۔ گرچہ ان سے چند غلطیاں بھی سرزد ہوئیں۔ کلیم الدین احمد نے حالی کی تنقید پر اعتراضات کرتے ہوئے بھی ان کی تنقیدی اولیت، اہمیت اور خدمات کا اعتراف کیا ہے۔ آل احمد سرور نے بجا طور پر ''مقدمۂ شعر و شاعری'' کو ''اردو شاعری کا پہلا مینی فیسٹو'' قرار دیا ہے جو حالی کی تنقیدی عظمت و اہمیت کا اعتراف ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ حالی کے تنقیدی کارناموں اور اہمیت کے بارے میں رقمطراز ہیں:

''تنقید میں حالی کا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے فارسی اور اردو کی عملی تنقید سے ایک منظم نظریۂ تنقید پیدا کیا۔ پرانی تنقید میں عمل تھا، مگر اصول نہ قلم بند تھے، نہ واضح۔ حالی نے پرانی تنقید کو ایک نیا نظریہ بخشا۔ ان کا دوسرا امتیاز یہ ہے کہ انھوں نے مغربی تنقید اور مشرقی نقد و نظر میں ایک پیوند قائم رکھنے کی کوشش کی۔''

(سرسید احمد خاں اور ان کے نامور رفقا، ص: ۲۰۵)

اردو تنقید کے ابتدائی دور کے دوسرے بڑے نقاد شبلی ہیں۔ شبلی کے تنقیدی خیالات و نظریات نے اپنے زمانے کے ادبی ذوق کو نہایت متاثر کیا۔ حالی اور شبلی کے خیالات میں بہت کچھ تضاد بھی ہے۔ شبلی بھی حالی کی طرح شعر و ادب کی افادیت کے قائل تو ہیں، مگر وہ ادب کا اول مقصد مسرت و انبساط کا حصول قرار دیتے ہیں۔ ان کی نظر اس چیز پر رہتی ہے کہ فنکار نے فن کے تقاضوں کو کس حد تک پورا کیا ہے۔ اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ شبلی جمالیاتی نقاد ہیں۔ ان کے نزدیک شعر و ادب میں حسن کاری کی بہت اہمیت ہے۔ حالی کے برعکس شبلی الفاظ کو معنی سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں کیوں کہ ان کے نزدیک رنگینی و رعنائی شعری وسائل کے زیادہ سے زیادہ استعمال سے پیدا ہوتی ہے۔ شبلی تشبیہ و استعارہ اور صنائع و بدائع کو شاعری کے لیے نہایت ضروری خیال کرتے ہیں۔

شبلی شاعری کو دو چیزوں کا مجموعہ قرار دیتے ہیں۔ یہ ہیں محاکات، اور تخیل۔ محاکات پر شبلی بہت زور دیتے ہیں۔ اس سے شبلی کی مراد یہ ہے کہ کسی چیز یا کسی حالت و کیفیت کا اس طرح نقشہ کھینچنا کہ اس کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھرنے لگے۔ گویا محاکات کا دوسرا نام تصویر کشی، مصوری یا شعری پیکر ہے۔ شبلی محاکات سے زیادہ تخیل کو ضروری قرار دیتے ہیں کیوں کہ محاکات میں جو جان پیدا ہوتی ہے وہ تخیل سے ہی ہوتی ہے۔ شبلی تخیل کو ''قوت اختراع'' کا نام دیتے ہیں۔ تخیل سے فنکار بات میں بات پیدا کرتا ہے۔

شبلی کا رجحان رومانویت کی جانب بھی ہے۔ اس لیے وہ جذبات و احساسات کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ ورڈس ورتھ کی مانند وہ بھی جذبات کے بے قابو ہو کر بہہ نکلنے کا نام شاعری قرار دیتے ہیں۔ شبلی شاعر پر کسی طرح کی پابندی عائد نہیں کرتے۔ وہ اسے مکمل آزادی عطا کرتے ہیں۔ اسے قاری سے بے نیاز کر دینا چاہتے ہیں اور اسے یہ فراموش کر دینا چاہیے کہ وہ قاری کے لیے شعر کہہ رہا ہے۔

شبلی کے تنقیدی افکار و نظریات ان کی تصانیف ''شعر العجم'' اور بالخصوص اس کے چوتھے حصے، ''موازنۂ انیس و دبیر'' اور ''مقالات شبلی'' وغیرہ میں ملتے ہیں۔ شبلی نے 'موازنہ انیس و دبیر' قلم بند کر کے عملی تنقید کا ایک شاہکار اس وقت پیش کیا جب انگریزی میں عملی تنقید کی تحریک کی ابتدا نہیں ہوئی تھی۔ ڈاکٹر سید عبداللہ شعر العجم کے بارے میں لکھتے ہیں:

''شعر العجم میں شبلی نے مغربی اصولوں سے بھی فائدہ اٹھایا ہے، مگر اس کی ساری وضع قطع مشرقی ہے۔ اسی لیے مقدمۂ شعر و شاعری کے مقابلہ میں اس کے اصول زیادہ مانوس ہیں۔ حالی کے مقدمہ کی ایک خاص کمزوری ہے مغربی اصولوں کا رعب۔ خوش قسمتی سے شعر العجم اس کمزوری سے پاک ہے۔ شبلی کی اس کتاب میں ان کی خود اعتمادی اور بالا دستی کا رنگ موجود ہے۔ انھوں نے قارئین کو مغربی نقادوں کے بڑے بڑے کارناموں سے خواہ مخواہ مرعوب کرنے کی کوشش نہیں کی۔''

(سرسید احمد خان اور ان کے نامور رفقا، ص: ۲۰۶۔۲۰۷)

اردو تنقید کے ابتدائی دور میں آزاد، حالی اور شبلی نے اردو تنقید کو پروان چڑھانے میں جو اہم کردار ادا کیا ہے اسے اردو تنقید کی تاریخ میں زریں حروف میں لکھا جائے گا۔ اس ضمن میں ڈاکٹر انیس ناگی لکھتے ہیں:

''حالی، شبلی اور آزاد کا زمانہ تغیر کا عہد تھا وہ قدیم اسلوب فکر کے بجائے ایک معروضی تنقیدی اسلوب کو رائج کرنا چاہتے تھے، لیکن انھوں نے اپنے عہد کی شاعری اور اس پر تنقید یا محاسبہ کرنے کے بجائے کلاسیکل ادب کی تشریح کی.... اس زمانے میں اردو میں نثری اصناف موجود نہیں تھیں اگر تھیں بھی تو نہایت ابتدائی صورت میں جن پر مفصل تنقید ممکن نہیں تھی۔ اس لیے حالی، شبلی اور آزاد کی تمام تنقید شاعری کے بارے میں ہے۔''

(پاکستانی اردو ادب کی تاریخ، ص: ۱۴)

غرض کہ آزاد نے اردو تنقید کی راہ ہموار کی تو حالی نے جدید اردو تنقید کی باقاعدہ بنیاد ڈالی۔ حالی نے شعر و ادب کی مقصدیت اور افادیت پر زور دیا اور اردو داں طبقے کو مغربی ادب سے استفادہ کرنے کا مشورہ بھی دیا۔ شبلی نے جہاں شاعری کے فکر و فن کا تجزیہ کیا وہیں ایک اعلیٰ نمونہ شاعری کا عملی طور پر تنقیدی جائزہ بھی لیا۔ ان ناقدین کے نہایت وسیع اثرات ان کے ہم عصروں اور بعد میں آنے والی نسلوں پر پڑے۔ ''کاشف الحقائق'' اور ''افادات سلیم'' وغیرہ اسی کا نتیجہ ہیں۔

◆◆◆